شہر آشوب :روایت سےنئی معنویت تک

ڈاکٹر شگفتہ فردوس [1]م ڈاکٹر سبینہ اویس**

Abstract:

"Shehar Ashoob is classical genre of literature that tells the story of the city's ruin and economic misery, but over time the genre has changed. This genre, which was limited to a few topics, has expanded and Freedom of form also attracted poets to its thematic diversity-There are many types of shehar Ashob, including Natia Shehar is one of them. Poets of classical era like Mir, Soda and Nazeer wrote Shahar Ashob. After creation of Pakistan, Faiz Ahmed Faiz, Ada Jafari, Josh Malihabadi wrote Shehar Ashob. Later, Ahmad Faraz, Amjad Islam Amjad and Iftikhar Arif also wrote. With the passage of time it has new a new meaning of it is emerging. This article focuses on its traditional and diversity in modern times."

Keywords: Shehar Ashoob, classical genre of literature, city's ruin and economic misery, new meaning, Ahmad Faraz, Amjad Islam Amjad and Iftikhar Arif, traditional and diversity in modern times.

ملخص

شہر آشوب کلاسیکی صنف ادب ہے جس میں شہر کی بربادی اور اقتصادی بدحالی کی داستان لکھی جاتی ہے، لیکن گزرتے وقت کے ساتھ اس صنف میں بھی تبدیلیاں رونما ہوئیں اور وہ صنف جو محض چند موضوعات تک محدود تھی اس میں وسعت پیدا ہوئی اور اس میں ہئیت کی آزادی نے شعرا کو شہر آشوب لکھنے کی طرف راغب کیا۔ ۱۸۵۷ کی جنگ آزادی کے بعد حالی،شبلی اور سیماب اکبر آبادی نے اس کی طرف زیادہ توجہ دی جب کہ قیام پاکستان کے بعد فیض احمد فیض، ادا جعفری، جوش ملیح آبادی نے شہر آشوب لکھے۔ بعدازاں احمد فراز، امجد اسلام امجد اور افتخار عارف نے بھی اس مو ضوع پر قلم اٹھایا، وقت کے ساتھ ساتھ اس کی نئی معنویت ابھر کر سامنے آرہی ہے۔ اس مقالے میں اس کی روایت اور عصر حاضر میں اس کے تنوع کو موضوع بنایا گیا ہے۔

اردوادب کی تاریخ رنج والم اور امتداد زمانہ کی نیرنگیوں سے بھری پڑی ہے جس کے پس منظر میں شہر آشوب کے خدوخال اُبھرے۔اُردو اصناف شعر میں انفرادیت کی حامل یہ صنف صداقت، اصلیت اور واقعیت کواپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہئیت کی پابندیوں سےآزادعمرانی حالات کی عکاسی کرتے ہوئے سیاسی اضطراب، معاشرتی اقدار کی پامالی، مغربی بیزاری، مادیت پرستی، متنوع موضوعات اور آشوب زمانہ کی کئی جہات کو اپنے دامن میں سموئے ہوئےعصرِ حاضر میں نئی معنویت کے ساتھ جلوہ گر ہورہی ہے۔ اس کے دامن میں قدامت سے متداول ہر دور کے شعراکا سماجی عرفان شامل رہا ہے۔ شہر آشوب کی معنویت اور اس کی صنفی وسعت پر سب سے مستند کام سید مسعود حسن رضوی ادیب کا تحقیقی مقالہ ہے جو لاہور سے رسالہ "نقوش " میں ۱۹۶۵ء میں شائع ہوا۔ اس میں ماضی و حال کے شہر آشوب نگاروں کا جائزہ لیا گیا۔ بعد ازاں ڈاکٹر سید عبداللہ نے بھی اس صنف پر کام کیا۔ کلاسیکی عہد میں لکھے گئے شہر آشوب، عہد جدید میں لکھے جانے والے شہر آشوبوں سے اپنی موضوعاتی تنوع کی بنا پر قدرے مختلف ہیں اس میں آشوبِ عالم کے ساتھ انسانی بے وقعتی بھی سما چکی ہے۔ روایتی معنوں میں اس سے مراد وہ نظم ہے " جس میں شہر یا ملک کی اقتصادی یا سیاسی بے چینی کا تذکرہ ہویا شہر کے مختلف طبقوں کی مجلسی زندگی کےکسی

---

[1]استاد،شعبہ اردو،جی سی ویمن یونیورسٹی، سیالکوٹ

** استاد،شعبہ اردو،جی سی ویمن یونیورسٹی، سیالکوٹ

پہلو کا نقشہ مزاحیہ،طنزیہ یا ہجویہ انداز میں کھینچا گیا ہو۔"(۱)

جب کہ ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی کے نزدیک شہر آشوب کے معنی ہیں :

" شہر کے لیے فتنہ و ہنگامہ"یا شہر میں جمع ہونے والے یا شہر میں فتنہ پیدا کرنے والے۔"(۲)

اصطلاح میں شہر آشوب اُس نظم کو کہتے ہیں جس میں مختلف پیشوں اور طبقوں سے تعلق رکھنے والوں کا ذکر ہو۔ ڈاکٹر سید عبداللہ اس کی تعریف بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

"شہر آشوب اس نظم کو کہتے ہیں جس میں کسی دور کے مصائب یاکسی شہرپرنازل ہونے والی آفات کا ذکر ہو۔اس میں عموماً زمانے کی نیرنگی، حالات کی ابتری، اہلِ کمال کی ناقدری یا امرا کی بے ذری کا ذکر ہوتا ہے۔اردوشاعری میں اس صنف کا خاصا رواج رہا ہے، جعفر زٹلی، شاکر ناجی، میراور سودا نےبہت عمدہ شعر کہےہیں جن سے ان کے عہد کے حالات آنکھوں کے آگے آجاتے ہیں۔"(۳)

ڈاکٹر ابواللیث صدیقی کے نزدیک شہر آشوب کے لیے کسی خاص ہیئت مثلاًطویل نظم، مثنوی یا مسدس کا ہونا ضروری نہیں بلکہ حساس شاعر انحطاط کی منظرکشی کسی ایک شعر میں بھی بیان کر دیتے ہیں جیسا کہ مسعود سعد سلمان نے قطعے،مسیحی نے مثنوی، نظیر نے مخمس اور میر نے غزل اور سودا نے قصیدے میں شہر آشوب لکھے عہد حاضر میں پابند وآزاد ہر دو صورتوں میں شہر آشوب ملتے ہیں غلام حسین ذوالفقار بھی اسی کی تائید کرتے ہوئے لکھتےہیں۔

"ساخت اور ہئیت کے اعتبار سے شہر آشوب پر کوئی پابندی نہیں لگائی گئی۔اور نہ ہی اس کے لیے سانچے کی کوئی قید ملحوظ رکھی گئی ہے۔مثنوی، قصیدہ،رباعی، قطعہ، مخمس، مسدس، غرض کہ نظم کا کوئی لباس بھی اس پر پورا آ سکتاہے۔البتہ ہر زمانے میں ایک خاص صنف کو زیادہ مقبولیت حاصل رہی۔"(۴)

شہر آشوب کے آغاز کے بارے میں روایت ہے کہ سلطنت عثمانیہ کے عہد میں ترکی سے دسویں صدی ہجری میں مسیحی کی لکھی مثنوی " شہر انگیز ادرنہ " سے ہوا۔ بعدازں فارسی میں بھی شہر آشوب لکھنے کا رواج ہوا، جس کے تتبع میں اردو میں شہر آشوب لکھے گئے۔ اردو میں اس صنفِ شاعری کے آغاز کے حوالے سےڈاکٹر گیان چند کی رائے بھی یہی ہے کہ اس کا مرکز فارسی شاعری ہے۔تفنن طبع کی خاطرمسعود سعد سلمان نے اسے اپنایا بعد ازاں دیگر شعرا نے بھی منظم صورت میں شہر آشوب کے ذریعے اپنے عہد کی سیاسی و اقتصادی حالت کو بیان کیا.اورنگزیب کے بعد اس صنف کی مقبولیت میں اضافہ ہوا۔عہد شاہی میں فلک آشوب اور شہر آشوب لکھے گئے، اس عہد سے بہادر شاہ کے دور تک لکھے گئے شہر آشوبوں میں معاشی زبوں حالی کا عکس بہت گہرا ہے۔اردو میں اس صنف کی مقبولیت کی بنیادی وجہ بر صغیر کے سیاسی وسماجی حالات تھے جیسا کہ نور الحسن ہاشمی رقمطراز ہیں :

"اردو شاعری کے پیدا ہونے، بڑھنے اور پھیلنے کا زمانہ سیاسی اوتر معاشی اعتبار سے مصائب، ابتلا اور مصیبت کا زما نہ ہے۔"(۵)

موضوعاتی حوالے سےصنف کا جائزہ لیا جائے تو شہر آشوب میں کسی شہر کی اقتصادی بدحالی، اور سیاسی انتشار وابتری کو ہمدردی، طنز وتضحیک یا بعض اوقات ہجو کے رنگ میں بیان کیا جاتا رہا۔شعرا اس میں اپنی قادر الکلا می کے اظہار اور اپنے موقف کی زیادہ موثر ترسیل کے لیے رعایت لفظی سے بھی کام لیتے رہے۔ ابو الاعجاز حفیظ صدیقی نے" اصناف ادب" میں موضوعاتی اعتبارسے شہر آشوب کی تین اقسام بیان کی ہیں۔

۱ : خوبانِ شہر کی فتنہ انگیزیوں پر مبنی۔جس کا مقصد تفنن طبع رہا، اس کے لیے شہر انگیز کی اصطلاح بھی استعمال کی گئی۔ اس کی مثال وحیدی قمی کا "شہر انگیز تبریز "ہے۔ جو ےبریز کے نوخیزوں کے بارے میں لکھا گیا۔

۲:سیاسی، سماجی انتشار سے متعلقہ شہر آشوب جس میں کسی سیاسی و معاشرتی واقعے کے نتائج و اثرات کا ذکر کیا جائے۔ ایسے شہر آشوب سیاسی و سماجی تنقید کا درجہ رکھتےہیں جیسے کہ سودا، میر و نظیر کے شہر آشوب یا ۱۸۵۷ ء کی جنگِ آزادی کے واقعات و نتائج پر مبنی جن میں آزردہ، افسردہ، داغ، تشنہ، کامل کے شہر آشوب شامل ہیں۔ابو الاعجاز صدیقی کے نزدیک "صحیح معنوں میں شہر آشوب یہی ہیں۔

۳: ہجو کی خاطر لکھے جانے والے شہر آشوب جیسے کہ ہرات کے عمائدین کی مذمت کے لیے آگہی خراسانی نے "ہرات" کے نام سے شہر آشوب لکھا۔

طبقوں اور پیشوں کا الگ ذکر ان تینوں اقسام میں مشترک خصوصیت تھا لیکن ۱۸۵۷ء کے بعد لکھے جانے والے شہر آشوبوں میں جاں گداز واقعات کا بیان کرتے ہوئے پیشہ وروں اور طبقوں کے ذکر کو بھی شامل نہیں کیا گیا۔

گزرتے وقت کے ساتھ اس صنف ادب کے موضوعاتی دائرے میں وسعت آئی، اس حوالے سے ڈاکٹر ابواللیث صدیقی لکھتے ہیں:

> ''یہ واحد صنف ادب ہے جس میں رسمی مضامین، تقلید، یا ادبی روایت کا اتباع نہیں، بلکہ اسے شاعر کے عہد کی ایک سچی تصویر کہا جا سکتا ہے... شہر آشوب... نہ صرف اپنے عہد کی ترجمانی کرتے ہیں بلکہ ان میں اخلاقی اقدار اور اوصاف کےلیے کوشش اور جدوجہد کا جذبہ بھی ملتا ہے۔ شاعر ان حالات کو قبول نہیں کرتااور ان کی مذمت کرتا ہے۔ جو اصلاح حال کی طرف پہلا قدم ہے۔ وہ حالات سےسمجھوتا نہیں کرتا۔ ان پر تنقید کرتا ہے کہ اصلاح کی راہ تنقید سے ہی پیدا ہوتی ہے۔''(۶)

شہر آشوب کے ارتقاء کا جائزہ لیا جائے تو اسے چار ادوار میں رکھ کر دیکھا جا سکتا ہے۔ پہلا دور ۱۷۰۰ ء سے ۱۸۵۷ تک کا بنتا ہے جس میں نمایاں ترین لکھنے والوں میں ہمیں شاکر ناجی، شاہ حاتم، اشرف علی خاں فغاں،سعادت یارخاں رنگین، قائم چاند پوری، میر تقی میر، مرزا رفیع سودا، نظیر اکبر آبادی۔ شیخ قلندر بخش جرات اور راسخ عظیم آبادی شامل ہیں۔ نظیر کے علاوہ راسخ عظیم آبادی، شفیق اورنگ آبادی، سیاح، حسرت اور میر حسن نے بھی آشوب لکھے ہیں۔دہلی کے حوالے سے خصوصاًآرزو دہلوی، سالک، سوزاں،داغ اور غالب نےشہر آشوب لکھ کر دلی کی علمی وادبی مجلسوں کے اجڑنے اور اس شہر کی تہذیب ومعاشرت کی تباہی کے قصے بیان کیے ہیں۔ شاکر ناجی نےاپنے مخمس شہر آشوب میں نادر شاہ کے حملے کے بعد دہلی کی زبوں حالی اور بربادی کو کھل کر بیان کیا ہے۔جس سے اُن کے دیگر ہم عصروں کو بھی ایک نئی جہت ملی۔ میر تقی میرا ور سودا نے شاکر ناجی کے انداز میں نادر شاہ کی پھیلائی ہوئی تباہ کاریوں اورہندوستانی فوج کی زبوں حالی کسمپرسی، افلاس و بزدلی کی سچی عکا سی کی۔میر تقی میر مخمس "در حال لشکر" میں اہل دلی کی کسمپرسی اور ناداری کی داستان کو یوں بیان کرتے ہیں کہ سب کی زندگی وبال بن چکی ہے، بادشاہ و وزیر سب قلاش ہو چکے ہیں کوئی کسی سے نظر ملانے کو تیار نہیں۔اس کیفیت کا نقشہ انہوں نے کچھ اس انداز میں کھینچا ہے:

زندگانی ہوئی ہے سب پہ وبال
کنجڑے جھینکیں ہیں روتے ہیں بقال
پوچھ مت کچھ سپاہیوں کا حال
ایک تلوار نیچے ہے اک ڈھال
بادشاہ و وزیر سب قلاش
جبےّ والے جو تھے ہوئے ہیں فقیر
تن سے ظاہر رگیں ہیں جیسے لکیر
ہیں مہذب غرض صغیر و کبیر
مکھیاں سی گریں ہزاروں فقیر
دیکھیں ٹکڑا اگر برابر ماش(۷)

مرزا ررفیع سودا نے بھی مخمس اور قصیدے کی ہئتوں میں شہر آشوب لکھےجن میں طنز و تعریض کا انداز اختیار کیا گیا ہے۔ قصیدے کی ہئیت میں لکھے جانے والے شہر آشوب میں ۱۹۶ اشعار ہیں۔انہوں نے اس میں دلی کی سیاسی و اقتصادی تباہی، روزگار میں مشکلات کا اظہاراور سپاہیوں کی بزدلی کا ذکر کیا ہے۔ان کا مخمس شہر آشوب لوگوں کی کسمپرسی اور بے روزگاری و کساد بازاری کا عکاس ہے:

کیا کیا میں بتاؤں کہ زمانہ کی نئی شکل

ہے وجۂ معاش اپنی سو جس کا یہ بیان ہے
گھوڑا لے اگر نوکری کرتے ہیں کسو کی،
تنخواہ کا پھر عالمِ بالا پہ نشاں ہے
گذرے ہے سدا یون علف و دانہ کی خاطر
شمشیر جو گھر میں تو سِپر بنیے کے یاں ہے
سوداگری کیجئے تو ہے اس میں یہ مشقت
دکھن میں بکے وہ جو خرید صفہان ہے(۸)

میر و سوداکے شہر آشوب میں اجتماعی طور پر دلی کی صفات، گریز، شہر کی بر بادی کا ذکر اور آخر میں دعا کا بیان ملتا ہے۔ نظیر اکبر آبادی کا تعلق آگرہ سے تھا ان کا شہر دہلی کے بعد مغل حکمرانوں کا دوسرا بڑا شہر تھا۔ جسے اورنگزیب کے بعد کے حالات میں جاٹوں نے لوٹا۔ان تاریخی وسیاسی حالات کو ا نہوں نے اپنے سادہ اسلوب میں بہت ہمدردانہ انداز سے پیش کیا،ان کا مشہور شہر آشوب ''جب آگرے کی خلق کاہوروزگاربند'' سماجی زندگی کے زوال کی عکاسی کرتا ہے۔اس میں چھتیس پیشوں کے بند ہونے کا ذکر کیا ہے۔

دوسرا دور۱۸۵۷ء کا دہلی کا دور ہے جس میں سونے کی چڑیا کے متلاشی بیرونی حکمرانوں نے خانہ جنگی کے شکار مقامی حکمرانوں کو شکست دینے کے بعد انسانیت سوز مظالم کا آغاز کیا جو تاریخ کا حصہ بن گئے۔اس فتنہ گری سے جہاں انسانیت کی بے حرمتی کی گئی وہیں مقامی لوگوں سے ان کا مال و جائیداد بھی ضبط کرکے انہیں کسمپرسی کی اُس دلدل میں دھکیل دیا گیا جس کی نظیر نہیں ملتی۔ایسی صورت میں حساس شعرا نے ان ہنستے بستے شہروں کی مسکراہٹوں کے چھن جانے اور انسانوں کی ناقدری پر شاعری کی۔ نواب مرزا خان داغ دہلوی کا شہر آشوب ا پنے تاثر اور زبان و بیان کی ندرت کی بنا پر منفرد حیثیت کا رکھتا ہے۔دیگر شعرا میں، مرزا قربان علی بیگ، حکیم محمد تقی خان سوزن، مفتی صدرالدین آزردہ شامل ہیں۔

تیسرا دور ۱۸۵۷ء کے بعد سے ۱۹۴۷ء کا طویل دور ہے جس میں امت کی اصلاح کے لیے مناجاتی و نعتیہ انداز اختیار کیا گیا۔اس دور میں شہر آشوب لکھنے والوں میں الطاف حسین حالی، میر مہدی مجروح، کیفی دہلوی۔ عمر انصاری شامل ہیں۔ ۱۸۵۷ ء کی جنگ کے بعد انگریزوں کی شہروں کو تاخت وتاراج کرنے،قتل وغارت گری، اور امراءو شرفا کو ان کے اختیار واقتدار سے الگ کر کے ذلیل و رسوا کرنے کےاقدامات کو شعرا نے شہر آشوب میں بیان کیا۔ حالی کی "مدو جزِ اسلام "اور" شکوہ ہند"، شبلی کا" شہر آشوب اسلام"، اسماعیل میرٹھی کا"نوائے زمستاں "، "قصیدہ عبرت "اور "قلعہ اکبر آباد" اہم شمار کیے جاتے ہیں۔اس عہد میں نعتیہ شہر آشوب لکھنے کا بھی رواج ہوا۔ حالیؔ نے نعتیہ شہر آشوب " لکھ اُمت کی بدحالی پر رسول اللہ کے حضور دعا کی ہے۔

کر حق سے دعااُمتِ مرحوم کے حق میں
خطروں میں بہت جس کے جہاز آکے گراہے(۹)

مولانا ظفر علی خان نے روایتی نعت میں تنوع پیدا کیاور نہایت بلند پایہ نعت کے نمونے سامنے لائے۔ ان کے ہاں بھی مولانا حالی کی طرح نعتیہ شہرآشوب ملتے ہیں۔ وہ بھی آنحضور سے مخاطب ہو کر نظم " فریاد بحضور سرورِ کائنات " میں دعا ئیہ عرض کرتے ہیں کہ تیرے جانباز کفر کے مقابل ڈٹ جانے والے اے خاورِ حجاز کے رخشندہ آفتاب آپ سے ملتمس ہیں کہ آپ خیر البشر اور آپ کی قوم خیر الامم ہےہمارے لیے بارگاہ ربِیّ میں دعا کریں کہ ہم دنیا وآخرت میں کامیاب رہیں۔

اے قبلہ دو کعبہ اے کعبہ دو کون
تیری دعا ہے حضرتِ باری میں مستجاب
یثرب کے سبز پردے سےباہر نکال کر
دونوں دعا کے ہاتھ بصد کرب واضطراب
حق سے یہ عرض کر کہ ترے ناسزا غلام
عقبیٰ میں سرخرو ہوں تو دنیا میں کامیاب(۱۰)

چوتھادور: ۱۹۴۷ کے بعد کا دور ہے۔اس میں جوش ملیح آبادی، ڈاکٹر خلیل الرحمٰن اعظمی، اختر انصاری دہلوی شامل ہیں۔ جوش ملیح آبادی کے ایک نعتیہ شہرآشوب ہ میں امت کی خستہ حالی کا نقشہ کچھ اس طرح کھینچا گیا ہے:

تیرے گدائے بے نوا تیرے حضور آئے ہیں
چہروں پہ رنگِ خستگی سینوں میں درد بے پری
آج ہوائے دہر سے ان کے سروں پہ خاک ہے
رکھی تھی جن کے فرق پر تو نے کلاہِ سروری

سیماب اکبر آبادی اور ہمہ جہت شاعر عبدالعزیز خالد نے بھی نعتیہ شہر آشوبوں کی روایت کو آگے بڑھایا،اس دور میں مختلف شعرا نے اپنے انفرادی انداز میں شہر آشوب کہے اگرچہ اس کی تعداد بہت زیادہ نہیں کیوں کہ اس کا بنیادی محرک اقتصادی ناآسودگی اور امن و امان کی ناگفتہ بہ حالت ہوتی تھی تاہم اس صنف کے دیگر ہئیتوں میں بیان کے حوالے سے ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی لکھتے ہیں:

" جدید دور میں شہر آشوب نہیں لکھا جا تا مگر سیا سی اور اقتصادی موضوعات پر لکھی جانےوالی اکثر نظمیں شہر آشوب کے ذیل میں آتی ہیں۔تقسیم ہندوستان اور پھر سقوطِ مشرقی پاکستان کےنتیجے میں جو قتل وغارت، بے روز گاری، اقتصادی پریشانی اور انتشار و ابتری کی کیفیات پیداہوئیں جدیدشعرا نے اپنے اپنے انداز میں ان پر نظمیں لکھیں۔ اس لحاظ سے انہیں بھی شہر آشوب کا نام دیا جا سکتا ہے۔" (۱۱)

قیامِ پاکستان کے بعد بھی شعرا نے اس صنف میں لکھا۔ فیض احمد فیض نےاپنی شاعری میں جہاں محبت کا پیغام دیا وہیں اپنے ارد گرد ہونے والی ناانصافیوں اور لاقانونیت کے خلاف آواز بلند کی اور علامتی نظمیں قلمبند کیں۔ اس حوالے سےان کے مجموعہ کلام " سرِ وادیِ سینا میں شامل ۱۹۶۶ کی ایک نظم"ایک شہر آشوب کا آغاز" اہم ہے۔ اس میں وہ لکھتے ہیں :

گھر رہیئے تو ویرانئ دل کھانے کو آوے
رہ چلیے تو ہر گام پہ غو غائےسگاں ہے
پیوندِ رہِ کوچہء زر چشم غزالاں
پابوسِ ہوس افسرِ شمشاد قداں ہے(۱۲)

"شامِ شہر یاراں " میں شامل نظم" ڈھاکہ سے واپسی پر" میں ۱۹۷۱ ء کے بعد کے کربناک احساس کو اپنے لفظوں میں ڈھال کر یوں بیان کیا ہے :

ہم کہ ٹھہرے اجنبی اتنی ملاقاتوں کے بعد
پھر بنیں گے آشنا کتنی ملا قاتوں کے بعد
کب نظر میں آئے گی بے داغ سبزے کی بہار
خون کے دھبے دھلیں گےکتنی بر ساتوں کے بعد(۱۳)

قتیل شفائی نے بھی اپنے شہر کے حالات کو" شہر آشوب" کی صورت میں قلمبند کیا لکھتے ہیں :

رشتہ دیوار و در تیرا بھی ہے میرا بھی ہے
مت گرا اس کو یہ گھر میرا بھی ہے تیرا بھی ہے
تیرے میرے دم سے ہی قائم ہیں اس کی رونقیں
میرے بھائی یہ نگر، تیرابھی ہے، میرا بھی ہے(۱۴)

قیام پاکستان کے بعد کی صورتحال میں خواتین شاعرات نے بھی اپنے عہد کی عکاسی کرتے ہوئے اپنے شہروں کے حوالے سے آشوب کی کیفیت کو بیان کیا اس حوالے سےادا جعفری کا نام اہم ہے، انہوں نے بھی اپنے شہر کی ابتر حالت پرشہر آشوب کہا جس میں ماضی کے پرسکون شہر کی یاد یں دورِ حاضر کے اضطراب میں ڈھل گئیں اور تمنائیں مختصر ہوئیں اس نظم میں کہتی ہیں :

گلابی دھوپ اجلی چاندنی کے
خواب یوں مدھم نہ ہوتے تھے

مرے آنگن میں نقشِ پا سجے تھے
خوں کے دھبے نہ ہوتے تھے
مرے گھر میں خزینے تھے
دھوئیں کے ناگ کا پہرہ نہ ہوتا تھا
گئے وقتوں کی باتیں ہیں
مرے بچوں کو شاید ہی یقیں آئے
درو دیوار کے اوپر کسی آسیب کا سایہ نہ ہوتا تھا سبھی تنہاتھے
لیکن یوں کوئیِ تنہا نہ ہوتا تھا

احمد فراز مزاحمتی شاعری کا ایک اہم نام ہے ان کی شاعری آمریت کے خلاف کھل کر اظہار کرتی ہے۔ ان کی منظومات پر پابندی بھی عائد کی گئی۔ اُن کی شاعری اپنے عہد کی عکاسی کرتی ہے انہوں نے اپنے شعری مجموعے " بے آواز گلی کوشوں میں " شہر آشوب لکھا اوراپنے عہد کے سیاسی حالات کو اس کا مرکز بنا یا، مارشل لاء کی حکمرانی میں انہوں نے اپنے قلم کو احتجاج کے لیے استعمال کرتے ہوئے اپنے شہروں کے اجڑے لوگوں کے سہمے ہوئے رویوں کو بیان کیا۔انہوں نے اس دور میں ہونے والے ظلم کو اپنے ہی گھر کے رکھوالوں کا ظلم کہا جس کا نتیجہ بارود کی صورت میں نکلتا ہے۔معصوم کلیاں مرجھاتی ہیں، شہروں پر آسیب کے سائےمحسوس ہوتے ہیں،اگرچہ شہر کی سبھی آوازوں کو دبایا جا رہا ہے،گلی گلی مقتل بن چکی ہے لیکن یہ جبر ہمیشہ نہ رہے گا۔ ان کے شعری مجموعے"بے آواز گلی کوچوں میں " شامل ان کا لکھا ہوا "شہر آشوب "اس حوالے سے منفرد ہے کہ انہوں نے اس میں صرف اپنےدور کی سیاسی حالت کا نقشہ ہی نہیں کھینچا بلکہ اس کے ساتھ ساتھ اپنی دردمندی کو بھی بیان کر کے اسے نئی معنویت عطا کی ہے۔

ہمیں میں کوئی صبح سویرے
کھیت میں مردہ پایا گیا
ہمیں سا دہشت گرد تھا کوئی
چھُپ کے جسے دفنایا گیا
سارا شہر ہے مُردہ خانہ
کون اس بھید کو جانے گا
ہم سارے لا وارث لاشیں
کون ہمیں پہچانے گا(۱۵)

نوشاد عالم شہر آشوب کی نئی معنویت اور موضوعاتی تنوع کا جائزہ لیتے ہوئے رقمطراز ہیں:

"بے روزگاری، اقتصادی بد حالی، اقدار کی تبدیلی،آبادی کی کثرت، جذبہ و خلوص کی کمی،زندگی کا مشکل ترین ہونا اور اس سے بالآخر ہار جانا، عوام میں حقیقت کے شعور کا بیدار ہونا،اس کے نتیجے میں عوام میں راسخیت کی کمی کا پیداہونااور عدلیہ کا جانبدارانہ رویہ وغیرہ وہ موضوعات ہیں جنہوں نے جدید شہر آشوب کو ایک نئی جہت ا ور نئی سمت دی ہے۔ "(۱۶)

امجد اسلام امجد نے اہل کشمیر کے جذبات کی عکاسی کے لیے نظم کی ہئیت میں شہر آشوب کہا جس میں انہوں نے اس دنیا کے منصفوں کو ان کی بے حسی کی جانب توجہ دلائی ہے۔جو جلتے کٹتے مرتے ہوئے انسانوں کی دادرسی کے لیے کچھ نہیں کرتے " بارش کی آواز" مجموعے میں شامل نظم کا عنوان : آنے والا کل "ہے۔ اس میں وہ لکھتے ہیں :

چاروں جانب ایک لہو کی دلدل ہے
گلی گلی تعزیر کے پہرے کوچہ کوچہ مقتل ہے
اور یہ دنیا ---!
عالمگیر اخوت کی تقدیس کی پہرے دار یہ دنیا
ہم کو جلتے، کٹتے، مرتے،
دیکھتی ہےچپ رہتی ہے

افتخار عارف اردو شاعری کا معتبر نام ہے جن کی شاعری میں متنوع رنگ جھلکتے ہیں،

ان کی شاعری میں کلاسیکیت اور جدیدیت کا امتزاج ملتا ہے۔اُن کے شعری مجموعے "جہان معلوم "میں افتخار عارف قدیم شہر آشوبوں کی مانند اپنے ہنستے بستے شہر کے اُجڑنے کا خاکہ پیش کرتے ہوئے اس کی رونقوں حسن و جمال اور انسانی جان کی بے قدری پر دکھ محسوس کرتے ہوئے نظم۔" شہر آشوب میں لکھتے ہیں :

اب کوئی بھی خوابوں پر ایمان نہیں رکھتا
کس راہ پہ جانا ہے۔کس راہ نہیں جانا، پہچان نہیں رکھتا
شاعر ہو کہ صورت گر، باغوں کی چراغوں کی بستی کے سجانے کا سامان نہیں رکھتا
جس سمت نظر کیجیےآنکھوں میں درآتے ہیں اور خون رُلاتے ہیں
یادوں سے بھرے دامن، لاشوں سے بھرا رستہ!
اے شہررسن بستہ!
مدت ہوئی لوگوں کو چپ مارگئی جیسے
ٹھکرائی ہوئی خلقت جینے کی کشاکش میں جی ہار گئی جیسے
ہر سانس خجل ٹھہری۔ بے کار گئی جیسے
اب غم کی حکایت ہویا لطف کی باتیں ہوں کوئی بھی نہیں روتاکوئی بھی نہیں ہنستا
اے شہرِ رسن بستہ![۱۷]

عصر حاضر میں نئی نسل بھی شہر آشوب لکھنے کی جانب،متوجہ ہو رہی ہے ایسے ہی لکھنے والوں میں ایک نام زاہد مسعود کا ہے جنہوں نے پاکستان کے مختلف شہروں کے پسِ منظر میں نظمیں لکھیں۔نظم " سوات" میں انہوں نے سوات شہر میں دہشت گردی کی نذر ہونے والوں کے دکھ کو اپنی نظم میں سمویا ہے۔ اس شہر کے باسی جو اپنی روایات کے امین تھے، جن کے ثمر ور درخت دھول میں اٹے ہیں۔ بچے علم سے دور اور مکیں ہجرت پر مجبور ہو جاتے ہیں، اس حالت کی عکاسی شاعر یوں کرتا ہے:

میرے چشمے
شاہراہِ ریشم کے مٹیالے کناروں کو چھونے سے انکاری ہیں
کہ
ان میں
وہ بچے اب اپنے پاؤں نہیں دھوتے
جن کے سکول نذرِ آتش کر دئے گئے
سیاحوں کے خیموں کی اوٹ سے طلوٰ ع ہونے کا عادی چاند
بارود سے بھٹکتی آگ پر روتاہے
اور
بادلوں کے پیچھے چھپ کر
نقل مکانی کرنے والے قافلوں کو الوداع کہتا ہے[۱۸]

ان کی شہر آشوب نگاری کے حوالے سے ڈاکٹرامجد طفیل لکھتے ہیں:

"زاہد مسعود کی شہر آشوب ایک ایسی گواہی ہے جو آنے والے وقتوں میں ایک معتبرحوالےکے طور پر یاد رکھی جائے گی "[۱۹]

اردو شاعری نے شہر آشوب کو بھی اپنے دامن میں سمیٹتے ہوئے اس کے موضوعاتی کینوس کو وسیع کیا ہے حتیٰ کی عہد حاضر میں شہر آشوب نگار اسے اپنے عہد کی سچی تصویریں پیش کرنے کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ اس صنف میں ہئیت کی آزادی اور موضوعاتی تنوع کی مناسبت سے شاعر کے موضوعات بیان میں سہولت کے پیش نظر گزرتے وقت کے ساتھ اس صنف میں تبدیلیاں رونما ہو رہی ہیں اوراپنی کلاسیکی تعریف کی تنگ دامنی سے آزاد ہو کرموضوعاتی سطح پر بھی نئے دور سے روشناس ہو چکی ہے، اکیسویں صدی کے تناظر میں اس صنف کی اہمیت اور معنویت میں اضافہ ہو رہا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ سید عبداللہ،بحوالہ،اصناف ادب، رڈاکٹر فیع الدین ہاشمی، لاہور :سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۸ء ص۵۷
۲۔ رفیع الدین ہاشمی، ڈاکٹر، اصناف ادب، لاہور :سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۸ء ص۵۷
۳۔ نورالحسن نقوی،پروفیسر (مرتب) تاریخ ادب اردو(حصہ نظم)،علی گڑھ:ایجوکیشنل بک ہاٰوس، ۱۹۹۷ء، ص ۵۵
۴۔ غلام حسین ذوالفقار،اردو شاعری کا سیاسی وسماجی پس منظر،مقالہ پی ایچ ڈی، لاہور پنجاب یونیورسٹی، س ن، ص۱۵۶-۱۵۷
۵۔ نورالحسن ہاشمی، ڈاکٹر، دلی کا دبستان شاعری، کراچی:انجمن ترقی اردو، ۱۹۳۹ء، ص۱
۶۔ ڈاکٹر ابواللیث صدیقی، ''اصنافِ سخن'' مشمولہ ''تاریخ ادبیاتِ مسلمانانِ پاکستان و ہند آغاز سے معاصرین ولیؔ تک'' چھٹی جلد، لاہور:پنجاب یونیورسٹی،۱۹۷۱ءص
۷۔ میر تقی میر، کلیات میر، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز،۲۰۰۸ء۔ ص۹۵۲
۸۔ مرزا رفیع سودا،کلیات سودا، جلد اول،،لکھنو: مطبع منشی نول کشور، ۱۹۳۲ء،ص ۳۶۴
۹۔ لطاف حسین حالی، مسدس حالی، لاہور خزینہ علم اودن، سن ندارد، ص۱۷۳
۱۰۔ ظفر علی خان، بہارستان، لاہور : اردو اکیڈمی پنجاب،۱۹۳۷ءص ۳۱
۱۱۔ رفیع الدین ہاشمی، ڈاکٹر،اصناف ادب۔،لاہور : سنگ میل پبلی کیشنز،۲۰۰۸ء،ص ۶۱
۱۲۔ فیض احمد فیض،نسخہ ہائے وفا، دہلی : پبلشنگ ہاوس، س ن، ص ۲۶۲
۱۳۔ ایضاً، ص ۵۳۸
۱۴۔ قتیل شفائی، برگد، لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز،۲۰۰۳ء،ص۱۱۷
۱۵۔ احمد فرازؔ،بے آواز گلی کوچوں میں،لندن: نیشنل پبلیکیشنز،۱۹۸۲ء،ص۱۱۰
۱۶۔ نو شاد عالم،جدید شہر آشوب ترتیب و تقدیم، دہلی، عرشیہ پبلی کیشنز،۲۰۱۲ء،ص ۳۰
۱۷۔ افتخار عارف، جہان معلوم،اسلام آباد: پورب اکادمی،۲۰۱۳ء،ص ۱۲۸
۱۸۔ زاہد مسعود، شہر آشوب،لاہور: بک ہوم،۲۰۰۹ء، ص۸
۱۹۔ امجد طفیل، فلیپ،زاہد مسعود، شہر آشوب،لاہور، بک ہوم،۲۰۰۹ء